خطبات خواجہ شمس الدین عظیمی

ACD 129

Track - 1

62:00

''عید اجتماعی خوشی اور شکر کا نام ہے''

اعوذ باللہ ......

بسم اللہ ......

دنیا میں جتنی بھی قومیں آباد ہیں، جتنے بھی مذاہب ہیں،یا جہاں جہاں قبیلے ہیں،وہاں ہر قبیلے کی ہر قوم کی ایک روایت ہوتی ہے۔ ایک ٹریڈیشن ہوتا ہے۔ ان بے شمار روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ سال میں کوئی نہ کوئی تہوار مناتے ہیں۔ کسی بھی مذہب کے بارے میں جب پڑھا جاتا ہے یا معلومات حاصل کی جاتی ہے تو ہر مذہب میں سال میں دو تہوار ضرور آپ کو ملتے ہیں۔ جیسے ہندو ہیں یہ ہولی اور دیوالی کا تہوار ہوتا ہے۔ عیسائیوں کے ہاں کرسمس اور ایسٹر کے تہوار ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہودیوں میں بھی دو تہوار ہوتے ہیں۔ یہ ایک سلسلہ ہے جب سے دنیا قائم ہوئی ہے ، سال میں لوگ اکھٹے ہوتے ہیں،قبیلے قومیں ملک، پورے پورے ملک میں ...... ہوتی ہیں۔ اور جس مذہب سے نا کا تعلق ہوتا ہے سب اکھٹے ہوتے ہیں۔ اور اجتماعی طور پر تہوار مناتے ہیں۔ اور اس تہوار کے پیچھے جو مقصد ہوتا ہے وہ اجتماعی خوشی ہوتی ہے۔ یعنی لوگ اکھٹے ہوکر خوش ہونا چاہتے ہیں۔ اسلام میں بھی تہوار ہیں دو ، عید اور بقرعید۔ لیکن جب اسلام کے تہوار کے اوپر غور و فکرکیا جاتا ہے تو دوسرے مذاہب کے مقابلے میں یہ تہوار در اصل ایک اجتماعی پروگرام ہے ایک اجتماعی عمل ہے۔ ایسا اجتماعی عمل جس میں انسان یا مسلمان اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور پیغمبروں نے جو ایثار کئے ہیںاور نوع انسانی کے لئے جو ایثار کا عملی نمونہ پیش کیا ہے اس کا اعادہ بھی کرتے ہیں،اس کی نقل بھی کرتے ہیں۔ اور ایثار بھی کرتے ہیں۔ مثلاً عید ہے، عید الفطر جسے آپ کہتے ہیں،اللہ تعالیٰ کے حکم سے آدمی ایک مہینے تک لگاتار روزے رکھتا ہے۔ اور اس روزے میںبھی ایثار کے علاوہ کچھ نہیں۔ اب دیکھئے صبح سے شام تک محض اس لئے کہ اللہ خوش ہوگا، آدمی نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے۔ جھوٹ بولنے سے پرہیز کرتا ہے۔ غصّے کے اوپر کنٹرول کرتا ہے۔ ہر وہ جائز چیز جو اللہ نے روزے میں منع کردی ہے اس سے اجتناب کرتا ہے، پرہیز کرتا ہے۔ پورے مہینے عبادت و ریاضت میں گزارتا ہے۔ اور اس مہینے کے انعام کے طور پر جب آدمی روزے رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزے کی جزا میں خود ہوں۔ جب بندے روزے رکھتا ہے اور روزے سے فارغ ہوتا ہے تو اس خوشی میں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو

ایسے عمل کی توفیق دی جس عمل کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ کہتے ہیں روزے کی جزا میں خود ہوں۔ اس کا شکرانہ ادا کرتا ہے۔ ساتھ ساتھ یہ ہے کہ عید الفطر ادا کرنے سے پہلے دوگانہ پڑھنے سے پہلے وہ اپنے غریب بھائیوں کے لئے فطرانہ جمع کرتا ہے۔ غریبوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ یہ بھی ایک پیسے کا بھی ایثار ہے۔ تو رمضان المبارک کے بارے میں جہاں ہم اپنی ذات کا ایثار کرتے ہیں، بھوک کا ایثار کرتے ہیں، پیاس کا ایثار کرتے ہیں ، کم سے کم سونے کا ایثار کرتے ہیں۔ عید الفطر سے پہلے ہم مالی ایثار بھی کرتے ہیں۔ یعنی ہم اپنے غریب بھائیوں کو فطرے دیتے ہیں۔ ان کی اعانت کرتے ہیں۔ اور اس عمل کا شکر ادا کرنے کے لئے ہم اجتماعی طور پر ایک جگہ جمع ہوجاتے ہیں۔اور اس اجتماعی پروگرام میں بھی ہم اللہ کے سامنے جھکتے ہیں یعنی رکوع کرتے ہیں۔ سجدہ کرتے ہیں۔ دو رکعت ادا کرتے ہیں۔یہ جو اجتماعی پروگرام ہے۔ اسلام کا یہ آپ کو کسی اور مذہب میں نہیں ملتا۔ دوسرے جتنے بھی مذاہب میں تہوار کا پروگرام ہے۔ اس میں لہو و لعب، کھیل کود ، باجے، تاشے اس کے علاوہ آپ کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ مثلاً ہندو تہواروں میں آپ دیکھیں ہولی میں وہ رنگ ایک دوسرے پہ پھینکتے ہیں۔ اور کیا کیا خرافات نہیں ہوتیں۔ اس میں دیوالی میں وہ چراغاں کرتے ہیں۔ اور انتہا یہ ہے کہ وہ نالیوں میں بھی چراغ رکھ دیتے ہیں تاکہ لکشمی دیوی اگر اسے کہیں راستے نہ ملے تو نالی کے ذریعے گھر میں داخل ہوجائے۔ اور اگر وہاں اندھیرا ہوگا تو نالی کے ذریعے لکشمی دیوی داخل نہیں ہوگی گھر کے اندر۔ گھر میں برکت نہیں آئے گی۔ اسی صورت سے آپ کو یہ جو عیسائی لوگ تہوار مناتے ہیں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا اور حضرت عیسیٰ کی وفات کا کہ جب انہیں صلیب دی گئی ۔ جیسا کہ لوگ کہتے ہیں ، صلیب تو انہیں دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے... (عربی آیت) کہ ان کو نہ کسی نے قتل کیا ، نہ صلیب دی، لوگ شبہے میں پڑ گئے، اللہ نے ان کو اوپر اٹھالیا۔ لیکن اس تہوار میں بھی جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ سوائے لہو و لعب کے ، پریشانی کے، شراب نوشی کے گالم گلوچ کے اور چیخ پکار کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ دوسرے مذاہب کا جب تقابلی جائزہ ہم کرتے ہیں اپنے تہواروں سے تو ان تہواروں میں ایک سنجیدگی ہے۔ ایک نفاست ہے۔ پاکیزگی ہے۔ اللہ کے سامنے جھکنے کا عمل ہے۔ ایثار ہے۔ تو اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اسلام جب تہوار بھی کوئی مناتا ہے تو اس میں بھی بندے کا ذہن اللہ کے ساتھ قائم کرنے کا ایک مسلسل اور متواتر عمل ہے۔ عید کی نماز کے بعد لوگ شکرانے کی نفلیں پڑھنے کے بعد ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں۔ خوش ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے گھر جاتے ہیں۔ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرتے ہیں۔یہ ایک ایسا سماں ہوتا ہے۔ کہ آپ نے دیکھا ہوگا عید کے روز کہ ہر چہرے پر وہ کتنا ہی خشک ہو، غصّے والا ہو، خوشی کی لہر دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک بات آپ نے یہ محسوس کی ہوگی ، میں نے بھی اس کو بہت زیادہ غور کیا ہے ، کہ عید کے دن کوئی آمدنی میں اضافہ نہیں ہوجاتا ۔ نہ آپ نے یہ دیکھا ہوگا کہ لوگ عید سے ایک دن پہلے قرض لے لیتے

ہیں۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ کوئی جیب ایسی نہیں ہوتی جو پیسے سے
خالی ہو۔آپ اپنے بچوں کو عیدی دیتے ہیں۔آنے جانے والوں کو۔ اگر عام دن میں
اتنا پیسہ آپ خرچ کریں جتنا عید کے روز عید کے دن میں خرچ کرتے ہیں تو
حساب کتاب میں بات نہیں بنتی۔ لیکن عید کے روز عجیب و غریب صورت حال
یہ ہے کہ اللہ کا کچھ ایسا انعام ہے ، ایسی کچھ برکت ہوجاتی ہے پیسے میں کہ
ہر جیب میں پیسہ ہوتا ہے اور ہر آدمی اپنے چھوٹوں کو عیدی دیتا ہے۔ اس سے
پہلے نہ آپ کسی سے قرض مانگتے ہیں۔نہ آپ پہلے سے عید کے لئے پیسے جمع
کرکے رکھتے ہیں۔کہ بھئی عید کے لئے پیسے جمع کروبھئی عید کو بچے آئیں گے ،
بڑے آئیں گے، چھوٹے آئیں گے ان کو عید پہ خرچہ دینا ہے۔یہی صورت حال رمضان
شریف کی بھی ہے۔ ہرگھر کا خرچہ رمضان شریف میں دگنا تگنا ہوجاتا ہے۔
کھانے کی افراط ہوجاتی ہے۔ جتنا کھانا رمضان شریف میں پکتا ہے اور لوگ
کھاتے ہیں اگر عام دنوں میں اتنا کھانا کھائیتو ساری قوم کو ہیضہ ہوجائے گا۔
کھانے میں کوئی ترتیب بھی نہیں ہوتی پکوڑے بھی کھارہے ہیں،دہی بھی کھارہے
ہیں، شربت بھی پی رہے ہیں، لیموں بھی کھارہے ہیں، چائے بھی پی رہے ہیں۔
یعنی ایسی بے ترتیبی کھانے میں ہوتی ہے کہ صحت ک اصول سے وہ کسی بھی
طرح آدمی صحت مند نہیں رہ سکتا۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہ
کھانا بھی ہضم کردیتا ہے اور کھانا وافر مقدارمیں عطا بھی کرتا ہے۔ یہ آپ نے
نہیں سنا ہوگا بھئی رمضان آرہا ہے بھئی اس کے لئے سال بھر چیز جمع کرتے
رہے بھئی کسی سے قرض ادھار لیں۔ کچھ بھی نہیں اللہ تعالیٰ کا ایک عجیب
نظام اور سسٹم ہے وہ دگنا، تگنا خرچ خوشی خوشی پورا ہوتا ہے۔ یہ بھی آپ
لوگوں نے دیکھا ہوگا میرا اپنا تجربہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کچھ ایسا انعام ہے کہ
رمضان میں کنجوس سے کنجوس آدمی بھی خیرات کرتا ہے ، اس کا دل بڑا
ہوجاتا ہے۔ دسترخوان بھی وسیع ہوجاتا ہے۔ اور دل بھی بڑا ہوجاتا ہے۔اور اس
کے پاس پیسے بھی آجاتے ہیں۔یہ اگر آپ حساب کتاب کریں تو حساب کتاب میں
یہ بات آتی ہی نہیں ہے۔ حضور قلندر بابا اولیائؒ سے ایک دفعہ میں نے پوچھا کہ
حضور یہ اتنے پرندے ہیں۔اتنے پرندے سارے دانے چگتے ہیں۔یہ کہاں سے کھاتے
ہیں؟ کس طرح کھاتے ہیں؟ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ کسان جب کھیتی کرتا ہے
گیہوں، باجرہ، مکئی یا اور کسی قسم کے بیج تو وہ زمین میں پڑے رہ جاتے
ہیاس سے پرندوں کی خوراک پوری ہوجاتی ہے۔ لیکن یہ شہروں میں تو کہیں
کھیتی باڑی ہوتی نہیں ہے۔ سڑکیں ہوتی ہیں تارکول کی بنی ہوئی اس میں تو
آپ کتنا ہی گیہوں بو لیں اگے گا ہی نہیں۔ یہ شہر میں جو پرندے ہیں ظاہر ہے
ان کا یہ بھی نہیں کہ بھئی شہر کے پرندے گوشت کھاتے ہوں ، پتہ کھاتے ہوں۔
جنگل کے پرندے دانے کھاتے ہوں۔ ایسا بھی نہیں ہے وہ جس طرح گاؤں، دیہات
اور جنگل کے پرندے دانے چگتے ہیں اسی طرح شہر کے پرندے بھی دانے چگتے
ہیں۔یہ ان کو کہاں سے ملتا ہے۔ یہ دانے کہاں سے آتا ہے یہ؟ حضور قلندر بابا
نے فرمایا کہ یہ خیال کہ کسی کی کھیتی سے اللہ میاں پرندوں کو رزق فراہم

کررہاہے۔ نہیں یہ بات درست نہیں ہے۔ کسان کا تو یہ حال ہے کہ جب وہ دانے
سمیٹتا ہے تو اس میں وہ دانے جو کرم خوردہ ہوتاہے جس میں کیڑا لگ جاتا
ہے ، جوخراب ہوجاتا ہے اس کو بھی سمیٹ کے جمع کرکے اپنی گائے بھینسوں کو
کھلاتاہے۔ پرندوں کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑتاہے وہ تو اس طرح جھاڑو پھیر لیتا
ہے کہ اگر آپ وہاں تلاش کریں تو ایک بھی دانہ نہیں ملے گا۔ پھر میں نے کہا
حضور یہ بات تو صحیح ہے۔ میں نے بھی دیکھا ہے وہ تو ایسے جھاڑو دے کر زمین
صاف کردیتا ہے بالکل وہاں کوئی دانہ دنکا نظر ہی نہیں آتا۔پھر یہ پرندے ظاہر
ہے انسانوں سے تو بہت زیادہ ہیں۔تو ان کو کہاں سے دانہ ملتا ہے۔ کیسے کھاتے
ہیں یہ؟ تو حضور قلندر بابا نے فرمایا کہ بھئی اللہ کا ایک نظام ہے ، قانون ہے
کہ اللہ نے ہر مخلوق کو روزی فراہم کردی ہے۔ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر
حساب ... کہ اللہ جو ہے ہر فرد کو ہر مخلوق کو روزی دیتا ہے اور بغیر حساب
کے دیتا ہے۔ بغیر حساب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ حساب کریں کہ دو روپے
دیتا ہے، دس روپے دیتا ہے ، کسی کو پچاس روپے دیتا ہے۔ بغیر حساب کا مطلب
یہ ہے کہ روزی کی جو فراہمی ہے اس کو انسانی شعور کسی طرح حساب
کتاب میں سمجھ نہیں سکتا۔ بغیر حساب کہے۔ اور انہوں نے فرمایا کہ ایسا ہوتا
ہے یہ قانون قدرت ہے بڑی عجیب بات ہے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نظر عطا
کی ہے وہ اس بات کو دیکھتے بھی ہیں۔ اس بات کو جانتے بھی ہیں کہ پرندوں
کا غول آسمان پہ اڑتا ہے۔ سو ہوں گے۔ہزار ہوں گے، کہیں پچاس ہوں گے،
لاکھوں کی تعداد میں چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں پرندے آسمان پہ پرواز کرتے
ہیں۔اور جب انہیں بھوک لگتی ہے تو وہ اس تلاش میں کہ ہمیں زمین پر دانہ
ملے گا اس سے پہلے کہ ان کے پنجے زمین پر لگیں وہاںقدرت دانے پیدا کردیتی
ہے۔ پرندوں کے لئے دانہ اگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور کوئی کسان،کسانوں کا
تو حال یہ ہے کہ ان کا اپنا پورا نہیں ہوتا۔ پاکستان بننے سے پہلے سنا کرتے تھے
بھئی مشرقی پنجاب اورمغربی پنجاب میں اتنا گیہوں ہوتا ہے کہ وہ سارے
ہندوستان کو فیڈ کرتا ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ اپنے پاکستان کا گندم پورا
نہیں ہوتا باہر سے منگوانا پڑتا ہے۔ امریکہ سے۔ تو جب ہم اپنے کھانے کے لئے
باہر سے گیہوں منگوا رہے ہیں تو پرندوں کے لئے ہم کہاں سے چھوڑینگے؟ ہر
چیز تو باہر سے آرہی ہے۔ تو اب مقصد یہ ہے کہ یہ پھر پرندے کہاں سے کھاتے
ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جب پرندے زمین پر آتا ہے اس سے پہلے کہ
اس کے پنجے زمین پر لگیں وہاں دانہ موجود ہوجاتا ہے۔ اب آپ کہیں صاحب یہ
کیسی بے عقلی کی بات ہے۔ یہ تو بڑی ہی بے وقوفی کی بات ہے کہ جناب
تارکول کی زمین ہے یا سنگلاخ زمین ہے ، وہاں اگر ہم پانی بھی دیتے رہیں
مہینوں تو وہاں ایک پتہ بھی نہیں اگتا دانہ کیسے اگ جائے گا؟ توا س کے
مشاہدات ہیں۔مثلاً آپ نے دیکھا ہوگا کہ بارش برستی ہے۔ تو کوئی زمین ایسی
مخصوص رات کو بارش ہوئی صبح کو آپ جب اس زمین پر گئے اور تھوڑی
تھوڑی دھوپ نکلی تو آپ نے وہاں بے تحاشہ بیل بوٹیاں دیکھیں وہ لال لال ہوتی

ہیں بیل بوٹی ہے تو اس بیل بوٹی کے لئے آپ نے کوئی فارم نہیں بنایا۔ کوئی
اس کے بیج کا آپ کو پتہ نہیں ہے۔ کوئی اس کی زوجہ نہیں ہے۔ کوئی اس کا
شوہر نہیں ہے۔ وہ زمین میں بیل بوٹی کہاں سے پیدا ہوگئی؟ دیکھنے میں اتنی
خوبصورت بچے پکڑتے ہیں آپ نے خیر نہیں دیکھی ہوں گی تو اب یہ دیکھئے اللہ
تعالیٰ کا ایک نظام ہے۔ زمین میں سے بیل بوٹیاں پیدا ہورہی ہیں۔پھر یہ بھی
ہمارا مشاہدہ ہے کہ بالکل چٹیل میدان ہے۔ زمین میں کچھ بھی نہیں ہے۔ بارش
ہوئی معلوم ہوا کہ گھاس ہی گھا س اگ آیا۔ اب اس گھاس کو کسی نے بویا تو
نہیں۔ اس گھاس کی کسی نے بیلیں تو نہیں لگائیں۔تو یہ ازخود گھاس کس طرح
اگ آیا؟ اسی صورت سے پانی کا نظام ہے۔ آپ کنواں کھودتے چلے جاتے ہیں،
کھودتے چلے جاتے ہیں۔معلوم ہوا سو فٹ تک چلے گئے۔ اب سو فٹ تک مٹی
کہیں سے چکنی نکل رہی ہے۔ کہیں سے بھربھری نکل رہی ہے۔ کہیں سے پہاڑ
نکل رہے ہیں۔اور کوئی اندازہ نہیں ہے کہ پانی نکلے گا نہیں نکلے گا۔ سو فٹ
تک کھودنے کے بعد جناب پانی کا ایک چشمہ ابل آیا۔ اور ایسا چشمہ ابل آیا کہ وہ
آپ پی بھی رہے ہیں اور درختوں کو بھی دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ زمین کے
سو فٹ کے اندر پانی کس طرح پیدا ہوگیا کہاں سے پیدا ہوگیا؟ تو اسی حوالے
سے جیسے عید ہم خوشی مناتے ہیں ہمارے ہاں ایک بقر عید کی بھی خوشی ہے۔
بقر عید کا بھی ایک تہوار ہے۔ اس میں بھی اگر ہم غور و فکر کریں حضرت
ابراہیم حضرت بی بی ہاجرہ کو مکہ میں چھوڑ آئے۔ بے آب و گیاہ ہے ایسا
سنگلاخ ...جو لوگ حج کوگئے ہوں گے دیکھا ہوگا ابھی بھی وہاں کچھ نہیں اگتا۔
اب وہ سعودیہ کے امیر نے کوشش کرکے اب وہاں نیم وغیرہ اگائے ہیں۔جدھر
دیکھو پہاڑ ہیں، جدھر دیکھو پہاڑ ہیں۔وہاں جناب ان کوچھوڑ آئے ۔حضرت
اسماعیل علیہ السلام کو پیاس لگی ہوے اس پیاس کے لئے ادھر ادھر دوڑی پھرتی
رہیں۔صفا مروہ پہ ادھر سے ادھر ،ادھر سے ادھر، ادھر سے ادھر۔ حضرت
اسماعیل نے جب پیاس میں زمین کے اوپر جب ایڑیاں رگڑیتو وہاں سے چشمہ
ابل آیا۔ اور وہ زم زم کا چشمہ آج بھی موجود ہے۔ ہزاروں سال گزر گئے۔اس
کا پانی ہی ختم نہیں ہوتا۔ بائیس لاکھ آدمی تو حاجی وہاں جاتے ہیں ہر سال۔
وہ نہاتے بھی ہیں۔پیاس پانی کو نہلاتے بھی ہیں۔پیتے بھی ہیں۔ساتھ لے کر بھی آتے
ہیں۔اور تقریباً بائیس لاکھ آدمی سارے سال میں عمرے کو بھی پہنچ جاتے
ہوں گے۔ تو پچاس لاکھ آدمی مسلسل پانی پی رہا ہے۔ اور وہ پانی کسی طرح
ختم نہیں ہوتا۔ اب پانی کا حال یہ ہے کہ اگر اس کو آپ پی لیں تو آپ کو روٹی
کھانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہاں اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو یہ سعادت
عطا کی ہے بڑے نصیب والے لوگ ہیں۔اور جو ابھی نہیں گئے آپ دعا کریں اللہ
تعالیٰ وہاں کی حاضری سب کو نصیب فرمائے۔ تو جو لوگ بھی وہاں گئے ہیوہ
پانی پیتے رہتے ہیں اور اگر وہ کھانا نہ کھائیں تو اس پانی سے کمزوری ہوتی ہی
نہیں ہے۔ آدمی عادتاً کھانا کھاتا ہے۔ حضرت ابو ذر غفاری کا آپ نے پڑھا ہوگا ،
حضرت ابو ذر غفاری جب اپنے قبیلے سے آئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

دیکھنے کے لئے کہ بھئی ایک پیغمبر پیدا ہوئے تو وہ لوگوں سے چھپے کہ لوگوں کو
یہ علم نہ ہوجائے کہ بھئی یہ اسلام قبول کرنے آیا تو لوگ انہیں مارے پیٹیں گے۔
تو وہ کئی دن تک چھپے رہے۔ کئی ہفتے کہتے ہیں وہ چھپے رہے۔ تو جب حضور
پاک ﷺ سے ملاقات ہوئی تو حضور پاک ﷺ نے فرمایا تم نے بھئی کھایا پیا کہاں سے؟
ظاہر تو تم نے کیا نہیں اپنے آپ کو کسی پر۔تو کہا یا رسول اللہ! میں تو بس زم
زم کا پانی پیتا رہا۔نہ مجھے کوئی کمزوری ہوئی نہ بھوک لگی۔ تو اس کا مطلب
یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا جو نظام ہے وہ چاہیں توزمین میں ایسا پانی پیدا کردیں
جو کردیاہمارا مشاہدہ ہے کہ وہ اس سے ساری دنیا سیراب ہوتی ہے۔ ساری
دنیا پانی پیتی ہے۔ کہتے ہیں جی پانچ ہزار سال تقریباً آب زم زم کو ہوگیا ہے۔
پانچ ہزار سال سے کبھی یہ شکایت سننے میں نہیں آئی کہ اس کنویں کا پانی کم
ہوا ہے۔ یا اس کنویں کے پانی کا ذائقہ بدل گیا ہے۔ یا اس کنویں کے پانی میں یہ
ہوا کہ اس کا جو زور ہے اس کا جو جوش ہے پانی کاوہ کم ہوگیا ہو۔ تو اللہ
تعالیٰ کا ایسا نظام ہے اگر ہم غور کریں تو بے شمار باتیں ایسی ہوتی ہیںبے
شمار کہ اس کا کوئی شعوری طور پر سر پیر نہیں ہوتا لیکن وہ چیز ہوتی ہے۔
تو اب یہ جو تہوار کی مناسبت سے ابھی میں نے آپ سے عرض کیا ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشیوں کے دو موقعے دئے ہیں۔ ایک موقع عید کاہے عید کا
بھی یہی ہے کہ آپ پورے رمضان روزے رکھتے ہیں۔اللہ کے لئے ایثار کرتے ہیں۔
اور اس ایثار کے بدلے میں اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عطا کرتاہے۔ کھانے کی برکت،
پینے کی برکت، صحت بھی اچھی ہوجاتی ہے۔ یعنی جس طرح ہم لوگ روزے
میں کھاتے پیتے ہیںبجائے اس کے کہ ہم بیمار ہوتے صحت اور اچھی ہوجاتی ہے۔
روزے کی برکت سے۔ اس انعام کا شکر ادا کرنے کے لئے ہم عید مناتے ہیں۔ عید
کا مطلب ہی خوشی ہے۔ اب بقر عید کا جو فلسفہ ہے اس میں بھی جب آپ
غور کریں تو حضرت ابراہیم کے والد بت گر تھے بت بناتے تھے آذر ۔ جب حضرت
ابراہیم نے یہ دیکھا کہ یہ میرے والد جو بت بناتے ہیںیہ تو نہ بولتا ہے نہ سنتا
ہے۔ اس کے اوپر مکھیاں بھنکتی رہتی ہیں مکھی بھی نہیں اڑا سکتا۔پھر ایک دن
انہوں نے دیکھا کہ وہ کھڑے ہوئے تھے ایک کتا آیا اور ٹانگ اٹھا کے وہ جو سب سے
بڑا بت تھا ا س کے اوپر پیشاب کردیا۔ کسی نے منع بھی نہیں کیا اس کو ۔ بھئی
یہ کیسا خدا ہے؟ اس کے اوپر کتا پیشاب کرگیا اور اس نے کتے کو کچھ بھی نہیں
کہا۔ بھئی یہ کیا یہ خدا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ذہن حضرت ابراہیم
کو تفکر اور ریسرچ کا عطا کیاکہ انہوں نے ، حضرت ابراہیم نے اپنے باپ آذر کے
بنائے ہوئے بتوں کویا پتھروں سے تراشی ہوئی تصویروں کو خدا ماننے سے انکار
کردیا۔ پھر آپ کو پتہ ہی ہے رات ہوگئی ، رات کو انہوںنے ستارے دیکھے، انہوں
نے کہا چمکدار چیز یہ ہے یہ اللہ ہے ۔ پھر چاند نکل آیا تو کہا نہیں یہ اللہ ہے۔
پھراس کے بعد سورج نکل آیا وہ اور بھی زیادہ روشن تھا تو کہا یہ خدا ہوسکتا
ہے۔ پھر جب دیکھا کہ سورج بھی زوال پذیر ہوگیا تو انہوں نے کہا کہ زوال ہونے
والی چیز ، گھٹنے والی چیز، چھپنے والی چیز ، غروب ہونے والی چیزاللہ نہیں

ہوسکتی۔ اور اللہ کو انہوں نے پالیا۔ جب اللہ کو انہوں نے پالیا تو انہوں نے
خواب دیکھا۔اور خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کو کررہے ہیں حضرت
اسماعیل کو۔اس خواب کا تذکرہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل سے کیا۔
اب یہ دیکھئے کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت ابراہیم نے جب اپنے بیٹے حضرت
اسماعیل سے خواب کا تذکرہ کیاکہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے
اللہ کے لئے ذبح کررہا ہوں۔ تو حضرت اسماعیل نہ ڈرے، نہ روئے ، نہ کوئی
احتجاج کیا، نہ اپنے باپ سے یہ کہاکہ ابا جان خواب کا کیا ہے خواب اور خیال کی
کیا باتیں کرتے ہیں آپ ایسے ہی کوئی خیال آپ کو آگیا ہوگا۔حضرت اسماعیل نے
کہا اگر آپ نے یہ خواب دیکھا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ مجھے ذبح کررہے
ہیں تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور آپ یہ عمل کرگزریں۔ وہ عمل حضرت
ابراہیم نے کرلیا۔یعنی حضرت اسماعیل کو لٹا کے الٹا لٹا کے ان کی گردن پہ
جب چھری پھیری تو اپنی دانست میں تو انہوں نے چھری پھیردی لیکن جب آنکھیں
کھولیں تو وہاں یہ دیکھا ایک دنبہ ذبح ہوا پڑا ہوا تھا اور حضرت اسماعیل ایک
طرف کھڑے ہوئے تھے۔تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی قربانی کو قبول کیا
اور اس قبولیت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ایک جان ، جان کے بدلے جان وہاں
دنبہ بھیج دیا اور دنبہ ذبح ہوگیا۔ تو قربانی دراصل حضرت ابراہیم کا وہ یقین
ہے ، وہ ایثارہے کہ انہوںنے خواب میں دیکھ کر اللہ کے حکم سے انجام دیا۔تو جب
کوئی بندہ قربانی کرتاہے ، بکرا کاٹتا ہے یا گائے میں حصہ ڈالتا ہے اس کا کیا
مطلب ہوا؟ اس کا مطلب سیدھا سیدھا یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم کے اندر جو
اللہ تعالیٰ نے یقین ڈال دیا تھا ہمارے اندر بھی اس یقین عکس پڑ رہا ہے۔ ہم
بھی حضرت ابراہیم کے یقین کو ، یقین پر عمل کرکے اس عمل کو ، اس سنت
کو دہرا رہے ہیں جو حضرت ابراہیم نے اللہ کے لئے عمل کیا تھا۔ بات وہی ہے
کہ جس طرح حضرت ابراہیم نے اللہ کے لئے ایثار کیا تھا رسول اللہ ﷺ کی امت
بھی اللہ کے لئے ایثار کرکے قربانی دے رہی ہے۔ قربانی کا جانور ذبح کررہی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو تم قربانیاں کرتے ہو جانور میرے لئے ذبح کرتے ہو
مجھے نہ اس کا گوشت پہنچتا ہے ، نہ مجھے اس کے خون سے کوئی سروکار ہے
میں تو کھاتا پیتا ہی نہیں ہوں۔ مجھے تو تمہار ی نیت پہنچتی ہے کہ تم نے میرے
محبوب خلیل اللہ ، اللہ کے دوست حضرت ابراہیم نے میرے حکم کے مطابق جو
ایثار کیا تھا تم اس میرے محبوب بندے کی اس سنت پر عمل کررہے ہو۔ یعنی
جس طرح میں حضرت ابراہیم کے ایثار سے خوش ہوا اسی طرح تمہاری
قربانی سے بھی میں خوش ہوتا ہوں۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی
قربانی دی۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری امت مسلمہ کے لئے حج
میں قربانی واجب کردی۔ سعی واجب کردی۔ طواف واجب کردیا۔ یعنی حضرت
ہاجرہ جس طرح پانی کی تلاش میں ادھر سے ادھر دوڑ رہی تھیں صفا مروہ کے
درمیان ۔ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ ... اللہ تعالیٰ کو حضرت ہاجرہ کی
یہ بھاگ دوڑ اتنی پسند آئی کہ اللہ تعالیٰ نے پوری امت مسلمہ کیلئے اسے واجب

کردیا اور فرض کردیا۔ تو جب کوئی بندہ حج کرتا ہے ، حج میں ارکان پورے کرتا
ہے تو اس ارکان کے پورے کرنے میں آپ یہ بتائیں بظاہر تو کوئی چیز ایسی نظر
نہیں آتی کہ جس سے اللہ میاں خوش ہوں۔ مثلاً آپ اللہ کے گھر کے طواف کرتے
ہیں۔ اب طواف کرنے میںاللہ تعالیٰ کی خدائی میں کیا فرق آگیا؟ اللہ تعالیٰ کی
خدائی میں کونسا اضافہ ہوگیا۔ اضافہ نہیں ہوا لیکن اللہ تعالیٰ کے بندے نے جو
اللہ کے لئے ایثار کیا تھا جب اس کی نقل میں مسلمان عمل کرتے ہیں تو اللہ
تعالیٰ اس ایثار کو اس طرح پسندکرتا ہے جس طرح حضرت ابراہیم کے ایثار کو
پسند کیا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی ایثار کو پسند کیا۔ میں عمرے پہ گیا تھا۔
وہاں پہلی دفعہ طواف کیا۔طواف کرکے میں بیٹھ گیا۔ درود شریف پڑھتا رہا۔
اس کے بعد میرے ذہن میں ایک بڑا شیطانی خیال آیا۔ وہ خیال یہ آیا کہ سنگ
اسود جو ہے کہ لوگ اتنی مشقت سے، اتنی پریشانی سے دھکم پیل کرکے وہاں
جاتے ہیں اور جاکر اس کو بوسہ دیتے ہیں اور بوسہ دے کر طواف ختم کردیتے
ہیں۔تو ظاہر ہے یہ تو پتھر ہے۔اس پتھر کو بوسہ دینا یہ تو بڑی عجیب بات
ہوگئی ہے کہ پتھر کو اس طرح بوسے دے رہے ہیں۔اور جب مجھے یہ پتھر کے بارے
میں خیال آیا تو مزید شطانی غلبہ ہوا۔ یہ شیطان ایسا کھلا ہوا دشمن ہے ... ان
الشیطان للانسان عدو مبین ... یہ تمہارا ایسا کھلا دشمن ہے یہ تمہیں کسی
حال میں معاف ہی نہیں کرتا۔ ظاہر ہوکر بھی تمہیں دھوکے دے گا۔ چھپ کر
بھی تمہیں دھوکا دے گا۔ آگے سے بھی دھوکے دیگا۔ خیالات کے ذریعے بھی دھوکے
دے گا۔ پیچھے سے بھی دھوکا دے گا۔ یہ اتنا پکا ہے اپنے مشن میں کہ یہ اپنے مشن
کا کام کسی بھی وقت چھوڑتا ہی نہیں ہے جہاں بھی موقع ملے گا اس نے پھوٹ
ضرور ڈالنی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔وہ دماغ جو ہے
و ہ دوسری طرف لگ گیا۔ وہ نفلیں پڑھنا، کیا کہتے ہیں درود شریف پڑھنا، کلمہ
پڑھنا، استغفار پڑھنا اور طواف کرنا وہ ایسا لگا وہ سارا ختم ہی ہوگیا۔ بس
ایک چکر میرے ذہن میںآیا ہے اب مجھے احساس ہوا میں تو بہت ہی یہ کام تو
غلط ہوگیا۔ اب میں یہ کیسے اس خیال کو ہٹاؤں۔ جتنا ہٹاؤں منفی خیالات آئے
جائیں۔ اور بات وہیں جاکر رکتی تھی اللہ تعالیٰ نور ہیں، روشنی ہیں۔ وہ نور
اور روشنی جو ساری کائنات کو فیڈ کررہا ہے وہ اتنے سے گھر میں کیسے سما
گیا؟ پھر میں وہاں دروازہ لگا ہوا تھا دروازے میں تالا بھی لگا ہوا تھا۔ پھر میں
نے سوچا یہ بھی بڑی عجیب بات ہے اللہ میاں کے گھر پہ تالا پڑا ہوا ہے۔نعوذ
باللہ۔ بہرحال بڑی ذہن میں تراش خراش بڑے وسوسے آئے۔ پھر میری حالت
اتنی خراب ہوگئی کہ میں اتنا میرا دل خراب ہوا اچاٹ پیدا ہوا کہ میں رونے لگا
کہ یہ میں کہاں پھنس گیا۔جتنا میں اس خیال کو جھٹکوں مجھے ایک نئی اور
تصویر دکھادے۔ تو ابھی میں بیٹھا ہوا رو ہی رہا تھا کہ اللہ میاں مجھے معاف
کرمیں تیرے گھر میں آکر اس قسم کے خیالات ہے اس قسم کے معکوس ذہن بن
گیا میرا ہے تو میں نے یہ دیکھا کہ حضور قلندر بابا ... میری آسمان پر نظر گئی تو
میں نے دیکھا حضور قلندر بابا اولیائ جیسے کوئی اڑتا ہوا کوئی آتا ہے اس طرح

آئے اور آکر میرے پاس آکر کھڑے ہوگئے۔ اور آکر وہ جیسے ہی وہ کھڑے ہوئے میں ایک دم جیسے ادب میں آدمی کھڑا ہوجاتا میں بھی کھڑا ہوگیا۔ قلندر بابا نے میرا ہاتھ پکڑااور ہاتھ پکڑ کر انہوں نے فرمایا کہ ہمیں یہ نہیں سوچنا کہ یہ پتھر ہے یہ گھر ہے یہ کیا چیز ہے۔ ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ نے سنگ اسود کو بوسہ دیا، ہمیں بھی بوسہ دینا ہے۔ انہوں نے طواف کیا ہمیں بھی طواف کرنا ہے۔ بس ایک انہوں نے چکر مجھے دیا اور اس کے بعد میرا ذہن اللہ کے فضل و کرم سے ٹھیک ٹھاک ہوگیا۔تو مقصد یہ ہے یہ ساری جو ہماری زندگی ہے یہ زندگی اگر ہمارے پیغمبر کے مطابق ہے جو کچھ حضور پاک ﷺنے کیا، حضرت ابراہیم نے ، اور دوسرے پیغمبروں نے کیا۔ اگر ہماری زندگی پیغمبروں کی طرز فکر کے مطابق ہے تو یہ سارے اعمال ہمارے اللہ کے لئے ہیں۔ اور اگر ہماری زندگی پیغمبروں کی طرز فکر کے مطابق نہیں ہے تو پھر سوائے وسوسوں کے ، پریشانیوں کے اور شک شبہے کے کچھ بھی نہیں ہے۔ قربانی کا عمل ہی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اللہ کے لئے اپنے بیٹے کو ذبح کیا،وہ عمل پورا کردیا۔ تو جب ہم قربانی کرتے ہیں اس کا فائدہ ہمیں یہی ہے کہ ہم نے وہ کام کیا جو حضرت ابراہیم نے کیا۔ جس طرح حضرت ابراہیم کے عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہوااسی طرح حضور پاک ﷺ کی امت کا کوئی بھی فرد جب قربانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسی طرح خوش ہوں گے جس طرح حضرت ابراہیم کے عمل سے خوش ہوئے۔ دوسری بات جو بہت زیادہ غور طلب ہے جب ہم اسلام کے بارے میں سوچتے ہیںتو اسلام میں ہمیں انفرادیت کہیں نظر نہیں آتی۔ اسلام انفرادیت کا نام ہی نہیں ہے۔ اسلام کا مطلب ہی یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ مجتمع ہوکر ایک واحد ذات اللہ کو مانے۔ایک واحد ذات اللہ کو پوری امت مسلمہ ایک ارب کی آبادی ہے، ایک ارب کی آبادی میں اگر ایک آدمی بھی ایسا ہے جو اجتماعی پلیٹ فارم سے ہٹ کر اللہ کی توحید کا اقرار نہیں کرتا امت مسلمہ سے خارج ہے۔ ہر مسلمان، ایک ارب مسلمان ایک ہی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ یہ انفرادی کلمہ جب ہم پڑھتے ہیںتو انفرادی کلمہ پڑھنے کے بعد دراصل ہم اجتماعیت میں شامل ہوجاتے ہیں۔ ایک گروہ میں شامل ہوجاتے ہیں۔ایک امت میں شامل ہوجاتے ہیں۔نماز آپ دیکھیں۔ نماز میں بھی اجتماعیت ہے۔ پانچ وقت مساجد میں جماعت ہوتی ہے۔ اس میں بھی اجتماعیت ہے۔ روزہ ہم رکھتے ہیں اس میں بھی اجتماعیت ہے۔ صبح کو فجر کی اذان ہوتی ہے۔اگر ایک شہر میں ایک کروڑ آدمی بستا ہے جیسے کراچی میں ہے۔آپ دیکھیں اگر کوئی فجر کی اذان ہوگئی تو ایک کروڑ آدمی جوہے اپنا منہ بند کرلیتا ہے۔نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے جو روزے کے ارکان ہیں وہ پورا کرتا ہے۔ اور جب مغرب کی اذان ہوتی ہے تو ایک کروڑ آدمی کھانا پینا شروع کردیتے ہیں۔اب اس کو آپ اجتماعیت کے علاوہ کیا نام دے سکتے ہیں؟ اسی صورت سے عیدآگئی۔عید میں آدمی نہاتا ہے، دھوتا ہے، خوشبو لگاتا ہے۔کپڑے پہنتا ہے اپنے بچوں کو تیار کرتا ہے۔پھول جیسے بچے۔ مجھے تو بچے بہت ہی اچھے لگتے ہیںعید میں۔تو ایک میدان

میں جمع ہوجاتے ہیں۔اور وہاں بھی دیکھیں اجتماعی طور پر نماز ادا کرتے ہیں۔
پھر بقر عید آجاتی ہے ، بقر عید میں بھی آپ دیکھئے تین، دو دن ، ڈھائی دن
سمجھ لیجئے ، ڈھائی دن اس کے قربانی کے ہیں۔تیسرا دن تو عصر تک ہی ہوتا
ہے۔ ان ڈھائی دنوں میں جو آپ قربانی کرتے ہیں وہ قربانی ہے ۔ ان ڈھائی
دنوں کے علاوہ آپ روز دس بکرے کاٹیں قربانی نہیں ہوتی۔بھئی بکرا کاٹنا قربانی
اگر ہے تو عام دنوں میں آپ بکرے جو ذبح کرتے ہیں وہ بھی قربانی ہے ۔ کتنے
بکرے؟ لاکھوں بکرے کٹتے ہیں روزے جو ہم کھاتے ہیں۔ لیکن ان بکروں کو ہم
قربانی کا نام نہیں دے سکتے۔وہ قربانی ہے ہی نہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ کے ارشاد
کے مطابق، حضرت ابراہیم کے ایثار کو سامنے رکھتے ہوئے ان ڈھائی دنوں کے
اندر جب ہم قربانی کرتے ہیں ، بکراہو، دنبہ ہو، گائے ہوتو وہ اللہ کے لئے ...
اللہ تعالیٰ کہتے ہیں یہ میرے لئے ہے۔ تو اس کو اجتماعیت کے علاوہ آپ کیا کہیں
گے؟ کلمہ ایک ہے۔اجتماعی طور پر ایک ارب آدمی ... لا الہ الا اللہ محمد رسول
اللہ پڑھے گا تو مسلمان ہوگا۔ کلمہ شہادت بھی ایک ہے ...اشھد ان لا الہ الا
اللہ واشھد ان محمد عبدہ و رسولہ ... پوری امت مسلمہ یہ کلمہ شہادت پڑھے
گی تو اسلام کے اندر داخل ہوگی۔پوری امت مسلمہ جب تک پانچ نمازوں پر یقین
نہیں رکھے گی۔ پڑھنا، نہ پڑھنا الگ بات ہے۔اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے نماز تو
کسی طرح چھوڑ ہی نہیں سکتے۔ لیکن بشری تقاضوں کے تحت کبھی نماز قضا
بھی ہوجاتی ہے۔لیکن اگر کوئی آدمی یہ کہہ دے کہ اسلام میں نماز کا کوئی
عمل دخل نہیں ہے تو وہ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔ یہ بھی اجتماعیت ہے۔
عشاء بھی سترہ رکعتیں ہیں۔آپ کہیں جی نہیں جی سترہ نہیں ہم تو ستائیس
پڑھیں گے اسلام سے خارج ہوجائیں گے۔ بظاہر یہ ہے کہ آپ سترہ کی جگہ دس
رکعتیں مزید پڑھ رہے ہیں لیکن چونکہ یہ اجتماعیت کے خلاف ہوگئی اس لئے اب
آپ کا عمل قابل قبول نہیں ہے۔سفر میں نماز قصر ہوجاتی ہے۔ آدھی ہوجاتی
ہے۔مثلاً چار فرض ہیں ظہر کے آپ کو دو پڑھنے ہیں۔اگر آپ چار پڑھیں گے تو
گنہ گار ہوجائیں گے۔آپ دیکھئے اگر وہ آپ نے دیکھا ہوگا اگر کوئی مسافر کو
کھڑا کردیتے ہیںمصلّے پہ تو وہ امام کہتا ہے جی میں مسافر ہوں۔وہ اپنے دو
رکعت نماز پڑھ کے سلام پھیر دیتا ہے ، مقتدی باقی دو رکعتیں خود ہی پوری
کرلیتے ہیں۔یہ بھی ایک اجتماعیت ہے۔ دیکھئے جب مسلمان سفر میں ہوگاتو
اس کی نماز قصر ہوجائے گی۔ اب اگر وہ قصر کو مزید بڑھا کے پڑھے گا تو اس
کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر آسانی ، اس کو جو آسانی اللہ
تعالیٰ دے رہے ہیں اس آسانی کو قبول نہیں کررہا۔ تو چونکہ اللہ کی دی ہوئی
آسانی کو قبول نہیں کررہا ہے اس لئے وہ گنہ گار ہوگیا۔ کفران نعمت کرگیا۔
اسی طرح ایک مریض ہے اللہ تعالیٰ کہتے ہیں مریض کو روزہ نہیں رکھنا۔بعد
میں قضا رکھ لو۔وہ مریض روزہ رکھتا ہے اور اس میں وہ مر جاتا ہے کیااس کا
نتیجہ نکلے گا؟ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے لئے روزہ ہوا؟ وہ ایک گناہ کا عمل ہوگیا کہ
اللہ تعالیٰ نے ایک سہولت دی سہولت سے فائدہ نہیں اٹھایاگیا تو یہ کفران نعمت

ہے۔ جس طرح بھی اسلام کے بارے میں آپ غور و فکر کریں گے اور مسلمان کی زندگی کا مطالعہ کریں گے وہاں آپ کو اجتماعیت کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملے گا۔ نکاح ایک ہی طرح ہوتا ہے۔بچے پیدا ہوتے ہیں ان کے کانوں میں اذان ایک ہی طرح ہوتی ہے۔نماز جب آپ بچوں کو سکھاتے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ نماز کوئی الگ الگ ہو۔ نماز بھی وہی ہے۔فجر ہو، ظہر ہو، عصر ہو، مغرب ہو،عشاء ہے۔جتنے بھی اسلامی ارکان ہیان میں اجتماعیت کے علاوہ آپ کو کوئی بھی چیز نہیں ملے گی۔اور اس اجتماعیت کا سب سے بڑا مظاہرہ جو ہوتا ہے وہ عیدین کا ہوتا ہے۔عید کی نمازمیں ہوتا ہے۔بقر عید کی نماز میں ہوتا ہے۔عید کی نماز جب ہم پڑھتے ہیتو وہاں بھی ہمارے پیش نظر یہی ہے کہ صاف ستھرے کپڑے پہنیں، خوشبوئیں لگائیں، اپنے بھائیوں سے گلے ملیں۔ عید مبارک کہیں۔خوش ہوں۔اڑوس پڑوس میں خاندان میں جو ہمارے غریب بھائی ہیان کی نگہداشت کریں۔اب زکوٰۃ کا عمل آپ دیکھ لیجئے وہ بھی ایک اجتماعی پروگرام ہے۔ زکوٰۃ سے کوئی آدمی مستثناء نہیہے۔زکوٰۃ سے کوئی آدمی مستثناء نہیں ہوسکتا ۔ لیکن اس زکوٰۃ کا فائدہ ہمیں ہی پہنچتا ہے۔ اللہ میاں کو تو کوئی پیسہ پہنچتا ہی نہیں اللہ میاں کو تو ایک پیسہ بھی نہیں پہنچتا اللہ کو کیا ضرورت ہے پیسوں کی۔اللہ تعالیٰ اسی سے خوش ہوتا ہے کہ مخلوق، مخلوق کی خدمت کرے۔زکوٰۃ کے بارے میں بڑی عجیب عجیب آپ نے باتیں سنی ہوں گی میں نے بھی ایک واقعہ دیکھا ہے بچپن میں میری عمر ہوگی کوئی بارہ سال۔تو میں اپنے اباجی کے ساتھ جایا کرتا تھا۔نماز پڑھنے تو وہ ساتھ ہی لے جاتے تھے۔اب تو ماں باپ بچوں کو ساتھ ہی نہیں لے جاتے۔ باپ ادھر کو جارہاہے بیٹا ادھر کو جارہاہے۔ہمارے زمانے میں تو یہ ہے کہ باپ چھوڑتا ہی نہیں تھابچوں کو۔ اور عجیب بات تھی صاحب ہم نے یہ دیکھا ، ہم سارے بھائیوں نے یہ دیکھا جہاں بھی جب بھی کوئی بزرگ آتا تھا تو ہمارے اباجی ہمیں ساتھ لے کر ضرور جاتے تھے۔ وہاں جاکے بیٹھ گئے سلام کیا۔ بات وات نکلی۔لیکن اس سے یہ ہوا کہ آداب مجلس سیکھ لی۔اس کا پتہ چلا وہ یہ کہ ذہن میں ایک بات یہ آئی کہ ہمارے اباجی بزرگوںکے پاس ہمیں لے جاتے تھے۔ایک دفعہ ابا جی نے ہمیں نصیحت کی میں بڑا سوچتا ہوں کیسے پرانے لوگ ذہین اور عقل مند ہوتے تھے۔انہوں نے فرمایا تھا بیٹا کہ وہ فقیر کے پاس جب جاؤ، خالی ہاتھ نہیں جانا۔ایک پیسے کی ریوڑی لے کر چلے جانا۔پیسے نہ ہو تو ایک پھول لے کر چلے جانا۔خالی نہیں جانا فقیر کے پاس۔خیر صاحب وہ بات کہاں نکل پڑی۔یہاں ایک ہمارے میاں صاحب آتے ہیں، تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ صاحب میرے دادا نے مجھ سے یہ کہا تھا ۔ اور ساتھ ساتھ انہوں نے اس کی وجہ بھی بیان کی کہ ایسا کیوں ۔ کیوں آدمی بغیر خالی ہاتھ کیوں نہ جائے۔ تو انہوں نے کہا دیکھو بھئی ہر آدمی کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ہر گھر کی ایک ضرورت ہوتی ہے۔ ہر گھر میں جب کوئی مہمان آتا ہے تو صاحب خانہ کا یہ دل چاہتا ہے کہ اس کی خاطر تواضع کرو۔ چائے پلادو۔ کھانے کا وقت ہے کھانا کھلادو۔شربت کا وقت ہے شربت پلادو۔اندر سے ایک

انسان کا ایک تقاضہ ہوتا ہے میزبانی کا۔اور جتنا انسان فراخ دل ہوگا، باحوصلہ
ہوگا، سخی ہوگا اس کا دل زیادہ چاہے گا۔تو وہ کہنے لگے میرے دادا نے یہ کہا
کہ فقیر کے پاس جب جاؤ تو خالی ہاتھ نہ جاؤ۔ اور اس لئے خالی ہاتھ نہ جاؤ کہ
فقیر کا ایک لنگر ہوتا ہے۔ایک دسترخوان ہوتا ہے۔ آنا جانا اس کے پاس مہمانوں
کا لگا رہتا ہے۔تو اگر یہ تھوڑا تھوڑا بھی کچھ لے کر جائیں گے۔ کوئی گیہوں لے
گیا، کوئی آٹا لے گیا ، کوئی چینی لے گیا، کوئی چائے لے گیا، کوئی نمک لے گیا،
کسی نے پیسے دے دئیے۔تو جب وہ اس فقیر کے ہاں مہمان آئے گا تو فقیر کا ذہن
جو اللہ کے ساتھ لگا ہوا ہے اس میں فرق نہیں پڑے گا۔اگر اس کے پاس کچھ
نہیں ہوگااور چار جب مہمان آگئے تو وہ کہے گا بھئی کہاں سے پیسے لاؤ، یہاں
سے پیسے لاؤ، یہاں سے دال اکھٹی کرو، وہاں سے ماچس خرید کے لاؤ۔ تو اس
کا جو اللہ کے ساتھ ایک رابطہ اور رشتہ ہے تو وہ ٹوٹ جائے گا۔تو فقیر کے پاس
خالی ہاتھ اس لئے نہیں جاؤ کہ فقیر کو ضرورت ہے۔فقیر کو تو بھئی اس کے تو
روٹی کپڑاجیسا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دے رہا ہے کھارہا ہے،پی رہا ہے۔لیکن اس
کے جو اخراجات ہیں وہ الگ سے مہمانوں کے اخراجات ہیں۔تو فقیر کے پاس اس
لئے خالی ہاتھ نہ جاؤ اس کا جوعبادت کاوقت ہے ۔ اس کا جو ذہنی اللہ سے
ربط اور تعلق ہے وہ مہمانوں کے آنے کی وجہ سے اگر گھر میں کچھ نہیں ہوگا
تو اس کا وہ رابطہ ٹوٹ جائے گا۔اور اس رابطہ ٹوٹنے کی وجہ سے ظاہر ہے
جانے والوں کو ہی نقصان پہنچے گا۔اب ایک بندہ ہے اللہ کا اس کا اللہ کے ساتھ
رابطہ ہے۔آپ جاکر اس سے دعا کرائیں۔ظاہر ہے اس دعا کی قبولیت کے زیادہ
امکانات ہیں۔ایک آدمی آٹا دال میں پھنسا ہوا ہے۔ عام آدمی کی طرح اس کی
دعا قبول ہو نہ ہو اللہ کی مرضی کے اوپرمنحصر ہے۔تو یہ بڑوں کی باتیں جو
ہیںعجیب و غریب اس کے اندر حکمت ہوتی ہے۔تو اسی صورت سے ایک عید کے
موقع پر ہمارے والد صاحب نے کہا کہ دیکھویہ اتنے سارے لوگ جو ہیںنماز پڑھ
رہے ہیں۔تم ایسے کرناکہ جب تم سجدے میں جائیں نا سارے لوگ اور مجھے
انہوں نے پیچھے کھڑا کیا سب سے یعنی بجائے آگے کے پیچھے صف میں کھڑا کیا۔ تو
جب سب لوگ سجدے میں چلے جائیں تو تم کھڑے ہوجاؤ اور کھڑے ہوکر دیکھنا۔
خیر صاحب وہ جب سجدے میں سارے چلے گئے تو اباجی نے جیسے کہا تھا میں
کھڑا ہوگیا۔ اب کھڑے ہوکر جناب میں نے دیکھا کہ ہزاروں آدمی سجدے میں
ہیں۔اس کا ایسا تاثر ذہن کے اوپر قائم ہوا کہ اتنے سارے لوگ اللہ کے سامنے
جھکے ہوئے ہیںاور ایسا ایک تاثر سجدے کا قائم ہوا وہ آج تک ذہن کے اوپر قائم
ہے۔آج کل کے زمانہ میں پھر عرض کروں گایہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ اپنے
بچوں کو وقت دیں اپنے بچوں سے دوستی کریں۔جہاں آپ جائیں اپنے بچوں کو
ساتھ لے کر جائیں اتنے ماشاء اللہ اتنے سارے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔مجھے تو کوئی
نظر نہیں آرہا اپنے بچے کو کوئی ساتھ لے کر آیا ہو۔جب آپ اپنے بچوں کو وہ
چیزیں بتائیں گے نہیں ، دکھائیں گے نہیں، پیغمبرانہ طرز فکر سے انہیں آشنا ہی

نہیں کریں گے توآپ کے بچے آپ سے وہ سب کچھ کیوں قبول کریںگے۔ہر شخص
یہ کہتا ہے جناب وہ کیا کہتے ہیں کیا کہتے ہیں

Generation Gap

کہ صاحب وہ بزرگوں میں اوربچوں میںایک عجیب خلا ء پیدا ہوگیاہے بچے باپ کا
ادب نہیں کرتے۔با پ کا کہنانہیں مانتے۔باپ سے زور سے بولتے ہیں۔بھائی! بچوں
کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔والدین نے بچوں کو چھوڑ دیا ہے۔ اب باپ
جھوٹ بول رہا ہے۔وہ کہتا ہے اس سے باہر سے کسی آدمی نے کوئی کسی سے
قرض لیا ہوگاوہ آگیا ہوگا کہ فلاں صاحب ہیں...؟ وہ اباجی بچے سے کہتے ہیں
کہ کہو ابا گھر میں نہیں ہیں۔ تو آپ تو خود ہی جھوٹ سکھارہے ہیں بچوں
کوآپ خود حرام حلال کی تمیز نہیں کرتے۔بچوں سے یہ آپ توقع کرتے ہیں کہ
ہمارا بچہ تو بالکل فرشتہ ہے۔ بچے کیسے فرشتے ہوجائیں گا؟ خود تاش کھیلتے
رہتے ہیں۔بچوں کو کہتے ہیں صاحب تو نماز پڑھنے جا!خود ساری ساری رات
فلمیں دیکھتے رہتے ہیںاور بچوں کو کہتے ہیں تو جاکے سوجا! تو یہ جو اسلام میں
خلاء پیدا ہوا اور اسلام میں جو بے عملی آگئی ہے اس کی ساری ذمہ داری بچوں
کے اوپر نہیں والدین کے اوپر ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی باز پرس کرے گا والدین
سے۔حضور قلندر بابا فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز ماں باپ سے اللہ تعالیٰ
یہ نہیں پوچھے گا کہ تم نے بچوں کو کیسا کھلایا، کیسا پہنایا ، کیسے گھر میں
رکھا۔اس لئے ہر باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے بچوں کو زیادہ سے زیادہ اچھے
کپڑے پہنائیں، زیادہ سے زیادہ اچھی غذا دیں۔اب جیسی اس کی آمدنی ہوتی ہے
اسی حساب سے وہ بچوں کی ضروریات پوری کرتا ہے۔کفالت کرنا وہ اللہ کا
کام ہے۔کہ جتنا اللہ نے باپ کو دے دیا اسی حساب سے بڑوں نے ، والدین نے بچوں
کی کفالت کی۔اس کا اللہ تعالیٰ سوال نہیں کر یگا۔ اللہ تعالیٰ پہلا سوال
والدین سے یہ کرے گاکہ ہم نے تمہیں بچے بطور امانت کے اس لئے دئے تھے تاکہ تم
ان بچوں کو حیوانیت سے نکال کر انسان بناؤ اور ایسا انسان بناؤ جس اللہ پسند
کرتا ہے اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔تم نے اس بچے کی تربیت میں کیا عمل کیا؟
ما شاء اللہ اتنے سارے لوگ بیٹھے ہوئے ہیںاس وقت آپ بتائیے اگر اللہ تعالیٰ ہم
سے جب یہ سوال کرے گا کہ ہم نے آپ کو بچے بطور امانت کے دئے تھے تاکہ تم
انہیں انسان بناؤ ہم نے ان بچوں کی تربیت میں کیا، کیا اپنا فرض پورا کردیاہے؟
تو جب ہم نے اپنے بچوں کی تربیت نہیں کی ہم باہرکی تربیت کیسے کریں گے؟
اپنی ہی ہم نے تربیت نہیں کی توحضرت ابراہیم کے واقعے میں دیکھئے پھر غور
طلب بات ہے یہ جتنے بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میںانبیاء علیہم السلام کے قصے
بیان کئے ہیں یہ کہانیاں نہیں ہیں۔ناول نہیں ہیں۔فکشن نہیں ہیں۔اللہ تعالیٰ
کوئی ہمیں قصے سنا کر مرعوب نہیں کرنا چاہ رہا کہ میں بہت بڑا ہوں۔ہر
پیغمبر کے قصے میں ایک حکمت ہے۔ ہر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی
زندگی میں پوری امت کے لئے ہدایت ہے، راستہ ہے۔ حضرت ابراہیم نے جب

حضرت اسماعیل سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا میں تمہیں ذبح کررہا ہوںتو
حضرت اسماعیل نے کہا کہ آپ کو جو حکم دیا ہے آپ وہ کر گزریں۔ آپ مجھے
صابر و شاکر پائیں گے۔اس کے پیچھے کیا حضرت ابراہیم کی تربیت کام نہیں
کررہی ہے؟ اگر حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کی پیغمبرانہ طرز فکر کے
مطابق تربیت نہ فرماتے تو حضرت اسماعیل بھی یہ نہ فرماتے کہ جو اللہ نے آپ
کو حکم دیا ہے آپ اسے کر گزرئیے میں ... مجھے آپ صابر و شاکر پائیں گے۔اور
اس کا عملی مظاہرہ ہوگیا۔حضرت اسماعیل لیٹ گئے۔حضرت ابراہیم نے
چھری چلادی۔یہ بالکل الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو پسند
کیا۔اور حضرت اسماعیل کی جگہ دنبہ آگیا اور اس کو ذبح کردیا گیا۔تو یہ جتنی
بھی قربانیاں ہیں آپ کی یہ قربانیوں کا گوشت بھی اللہ کو نہیں پہنچتا۔وہ
گوشت بھی دیکھئے آپ کے بھائی کھاجاتے ہیں۔قربانی کی کھالیں، خون بھی اللہ
کونہیں پہنچتا وہ بھی کھالیںبھی آپ کے جوتے بن جاتے ہیں۔آپ کے کپڑے بن جاتے
ہیں۔ جیکٹ بھی بناتے ہیں۔مخلوق اسے استعمال کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ کو اگر
کوئی چیز پہنچتی ہے وہ نیت پہنچتی ہے۔ انما الاعمال بلنیات ...وہاںدیکھا یہ جاتا
ہے کہ آپ نے جو عمل کیااس کے پیچھے نیت کیا ہے۔ مثلاً ایک بکرا ابھی بتارہے
تھے ایک صاحب کہ برنس روڈ میں ایک بکرے کی جوڑی ہے اس سے پوچھا بھائی
کتنے کی ہے؟ وہ کہا ایک لاکھ پچیس ہزار کی۔تو ایک لاکھ پچیس ہزار بتائیے
کوئی آدمی ایک لاکھ پچیس ہزار کا بکرا خرید کے اسے جب ذبح کرے گا۔ اخباروں
میں تصویریں چھپیں گی ، اس کے اوپر نام لکھا جائے گاتو یہ اس نیت میں کیا اللہ
تو ہے نہیں۔ انما الاعمال بلنیات ...یہ قربانی ، قربانی نہیں ہے۔ قربانی کا
فلسفہ یہ ہے کہ جو آپ عمل کر رہے ہیں وہ پیغمبرانہ طرز فکر ک مطابق
خالصتاً اللہ کے لئے ہے۔اس میں آپ کا ذاتی

involvement

اس میں نہ ہو۔اس میں نمائش نہ ہو۔ اس میں کبر نہ ہو۔ اس میں بڑائی نہ
ہو۔اس میں دکھاوا نہ ہو۔بس اللہ کے لئے آپ کریں۔تو میں آپ سب حضرات
سے بڑی مؤدبانہ درخواست کرتا ہوںکہ اب یہ عید ماشاء اللہ بقر عید آرہی ہے ۔
اب تک جو کچھ ہوچکاوہ تو ہوچکا۔ اب یہ ہے کہ عید، بقرعیدمختصر ہی سہی
اپنے دوستوں کے ساتھ عید منائیے کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ بچے آپ کے
ساتھ آئیں۔ان کو ساتھ لے جائیں۔ان کو نماز پڑھوائیں۔ان کے ساتھ جب آپ آئیں
گے ان کو یہ بتائیں کہ دیکھو بھائی کیا اسلام کی عظمت ہے۔ پٹھان، سید، چمار ،
بھنگی جو بھی مسلمان ہے سب ایک ہیں۔کوئی وہاںتمیز نہیں ہے۔بادشاہ بھی
وہاں ہے۔ غلام بھی وہاں ہے۔امیر بھی وہاںہے۔ غریب بھی وہاں ہے۔بیمار بھی
وہاں ہے۔ کمزور بھی وہاں ہے۔پہلوان بھی وہاں ہے۔لمبا آدمی بھی ہے۔ دبلا
آدمی بھی ہے۔ پستہ قد بھی ہے۔ خوبصورت بھی ہے۔بدصورت بھی ہے۔سب
ایک صف میں کھڑے ہیں۔یہ ایک صف میں کھڑا ہونا ہی دراصل اجتماعیت ہے۔

اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔اگر زمین کے اوپر اجتماعیت ختم
ہوجائے تو مخلوق اور خالق کا رشتہ ہے وہ تذکرے میں نہیں آئے گا۔اللہ ایک ہے۔
مخلوق چھ ارب ہے۔تو اگر یہ چھ ارب مخلوق نہ ہو ایک اجتماعی صورت میں
مخلوق نہ ہو چھ ارب تو خالق اور مخلوق کا رشتہ کس طرح قائم رہے گا؟ خالق
ایک ہے۔ مخلوق کی حیثیت اجتماعی ہے۔کثرت ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں ... قل هوا اللہ احد ... اللہ الصمد ... لم یلد... ولم یولد ... ولم یکن
لہ کفوا احد... اے پیغمبر ﷺ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اللہ واحد ہستی ہے۔
مخلوق کبھی واحد نہیںہوسکتی۔مخلوق کثرت ہوتی ہے ۔ اور مخلوق کابیٹا ہوتی
ہے۔ مخلوق باپ ہوتی ہے۔مخلوق کا خاندان ہوتا ہے۔اللہ کا نہ خاندان ہے۔ اللہ
نہ کسی کا بیٹا ہے۔اور اللہ نہ کسی کاباپ ہے۔وہ واحد ہے۔ قل هوا اللہ احد...
کیسا اللہ ... ایسا اللہ جو مخلوق سے کسی بھی طرح ہم رشتہ نہیں ہے۔اللہ
الصمد ...اللہ بے نیاز اس طرح ہے کہ اس کو کسی چیز کی احتیاج ہی
نہیں ہے ضرورت ہی نہیں ہے۔وہ کھاتا بھی نہیں ہے۔ وہ پہنتا بھی نہیں ہے۔
وہ پیتا بھی نہیں ہے۔ لا تخذہ سنة ولانوم ... اللہ لا الہ الا هوا لح القیوم ...لا
تخذہ سنة ولانوم ...اللہ ایسا زندہ اور قائم رہنے والا اللہ ہے کہ جس کو تو اونگھ
بھی نہیں آتی، جس کو نیند بھی نہیںآتی۔ اور مخلوق ان تمام اوصاف سے جو اللہ
تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیںاللہ کے اوصاف میں شریک نہیں ہوسکتی۔اللہ تعالیٰ
اگر کسی کے بیٹے نہیں ہیں تو مخلوق کا بیٹا ہونا ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ اگر
کسی کے باپ نہیں ہیںتو مخلوق کا باپ ہونا ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ ایک ہے۔
مخلوق کبھی ایک نہیں ہوتی۔اللہ تعالیٰ کا کوئی خاندان نہیں ہے۔مخلوق کا
خاندان ہوتا ہے۔اب ایک چیز اللہ الصمد ... اللہ کبھی کسی چیز کی احتیاج نہیں
رکھتا۔اگر مخلوق پیغمبرانہ طرز فکر کے مطابق تمام مخلوقات سے اپنی توقعات
توڑ کر صرف ایک اللہ سے اپنی توقعات قائم کرلے تو مخلوق کا خالق سے رشتہ
قائم ہوجائے گا۔سب جانتے ہیں کہ توقعات انسانوں سے قائم کرناسوائے بے
وقوفی کے ، نادانی کے کچھ نہیں ہے۔ جو بھی زندگی کے وسائل ہیںوہ مخلوق نے
پیدا نہیں کئے۔کیا مخلوق نے ہوا پیدا کی ہے؟ کیا مخلوق نے زمین پیدا کی ہے؟ کیا
مخلوق نے زمین کو اتنی صلاحیت عطا کی ہے کہ اس کے اندر آپ گیہوں کا ایک
دانہ ڈالیں اور نتیجے میں وہ سترہ ، اٹھارہ سو دانے حاصل کریں۔کیا مخلوق پانی
پیدا کرسکتی ہے۔ کیا مخلوق دھوپ نکال سکتی ہے؟ چاند نکال سکتی ہے؟ کون
سی ایسی چیز ہے جو مخلوق خود سے نکالتی ہے۔ایک بھی کوئی چیز ایسی نہیں
ہے جو مخلوق خود سے کرتی ہو۔سب چیزیں اللہ کی طرف سے آرہی ہیں۔ یہ
کیسی عجیب نادانی ہے کہ زندگی کے تمام وسائل آپ کو اللہ تعالیٰ فراہم کررہا
ہے ۔ سورج اللہ کا، چاند اللہ کا، زمین اللہ کی، بادل اللہ کے، بارش اللہ کی۔
آپ کے باڈی کے اندر خون دوڑ رہا ہے وہ اللہ کا۔دل اللہ کا۔ دماغ اللہ کا۔آنکھ
اللہ کی۔بتائیے مخلوق نے کیا چیز آپ کو دی ہے۔اب جس ہستی نے سب کچھ آپ
کو مفت عطا کیا اس ہستی سے آپ توقع قائم نہیں کرتے اور جو آدمی آپ کی

طرح مجبور محض ہے اس سے آپ توقعات قائم کررہے ہیں؟ پیغمرانہ طرز فکر
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ارشاد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
جو انسپائریشن ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہوتا ہے ۔ ان بندوں
کو جو پیغمبر علیہ السلام ہیں چونکہ ان کی توقعات دنیا سے ہوتی نہیں ہے اللہ
سے ہی توقعات قائم ہوتی ہے اس لئے جو بھی ان کو حکم ہوتا ہے اس پر وہ
عمل کرتے ہیں۔اور یہی پیغمبرانہ طرز فکر ہے۔اور یہی ایک اجتماعیت ہے جو
قوم میں ہونی چاہئے۔سب مسلمانوں میں اور جب سے یہ اجتماعیت مسلمانوں
میں سے نکل گئی مسلمان دنیا کی ذلیل ترین قوم میں شمار ہونے لگ گیا۔ جس
قوم میں نماز کی اجتماعیت ہے۔جس قوم میں روزے کی اجتماعیت ہے ۔ جس
قوم میں حج کی اجتماعیت ہے ۔ جس قوم میں کلمہ پڑھنے کی اجتماعیت ہے وہ
قوم ٹکڑوں ٹکڑوں میں بٹ جائے اس سے بڑا عذاب اور کیا ہوسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ
ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اسلام کے ارکان پر غور کریں۔جب ہم غور کریں گے
تو ہمیں ایک ہی بات نظر آئے گی کہ اسلام اجتماعیت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔
اگر اسلام میں اجتماعیت ختم ہوگئی تو تفرقہ بازی پیدا ہوجائے گی۔اور جب
تفرقہ بازی پیدا ہوجائے گی تو قوم کا شیرازہ منتشر ہوجائے گا اور قوم غلام بن
جا ئے گی۔غیر مسلم جو ہے اس کے اوپر قبضہ کرلیں گے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو
توفیق عطا کرے۔ (اختتام)